54

دعوت و تحریک

نسخہ شفا اور دست شفا

خرم مرادؒ

میڈیکل ڈاکٹروں میں اسلامی فکر و عمل کی داعی' پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیا) کے سالانہ کنونشن میں' خرم مراد مرحوم نے یہ خطبہ دیا۔ اس خطبے میں دعوت اسلامی کی تڑپ اور امنگ بیدار کرنے کے لیے جو اشارات بیان کیے گئے ہیں' ان کے مخاطب صرف طبی ماہرین ہی نہیں ہیں' بلکہ اپنی جگہ پر ہر فرد کے لیے اس میں پیغام دعوت ہے۔ یہ خطاب ٹیپ کی مدد سے پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

صدر محترم اور میرے عزیز بھائیو!

جب بغیر موضوع کے بولنا ہو تو ذہن کو کافی آسانی اور وسعت نصیب ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کی اس محفل کے حوالے سے تین نقوش میرے ذہن میں ابھر کر آئے ہیں' انھی سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں گا۔

چند دن بیشتر امریکہ کے جریدے ٹائم میں ایک مضمون آیا تھا: Medics With a Mission یعنی وہ ڈاکٹر جو ایک مشن کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ اس میں ان ڈاکٹروں کی تفصیل تھی' جو اپنے گھربار اور اپنی پریکٹس چھوڑ کر ایسے علاقے میں لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے تھے جہاں شدید خطرات انگیز کرنا پڑتے تھے۔ وہ اپنے علم اور اپنے فن کو ان مجبور اور مظلوم لوگوں کی خدمت پر لگا رہے تھے جو جنگ کی تباہ کاریوں کا شکار تھے۔ یہ مقامات افغانستان' فلپائن' برما' کمبوڈیا' غزہ اور اس قسم کے دوسرے مقامات تھے۔ یہ سب ڈاکٹر بڑے ماہر اور اپنے پیشے میں بڑے نامور تھے۔ یہ اگر اپنے گھروں میں رہتے' اور اپنے شہروں میں پریکٹس کرتے تو لاکھوں ڈالر ماہوار سے کم نہ کماتے۔ دولت اور آرام تو ایک طرف' خود ان کی جانیں بھی سخت خطرے میں تھیں' اس لیے کہ اردگرد چاروں طرف گولیاں چل رہی تھیں' جنگی جہاز پرواز کر رہے تھے اور بم برس رہے تھے۔ ان ڈاکٹروں میں سے کوئی مسلمان نہیں تھا۔ میں یہ نہیں کہتا مسلمان ڈاکٹر ایسے نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ٹائم نے تو انھی ڈاکٹروں کو ابھارنا تھا جو مسلمان نہ تھے۔ لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے مسلمان ڈاکٹر بہرحال کم ہی ہوں گے۔ یہ پہلا نقش تھا جو میرے ذہن پر ابھر کر آیا۔

دوسرا نقش جو بچپن میں تاریخ کے مطالعے سے حافظے میں نقش ہو گیا تھا' وہ تازہ ہوا اور مجھے یاد آیا

جب ہندستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی آئی' اس زمانے میں بنگال' احمد آباد اور دیگر مختلف جگہوں پر مغل بادشاہوں اور مسلمان حکمرانوں سے فرانس' پرتگال اور برطانیہ کے جن لوگوں نے اس کمپنی کے لیے مراعات حاصل کیں' تجارتی کوٹھیاں بنانے کے لیے زمین حاصل کی' محصولات میں رعایتیں حاصل کیں' ان میں کلیدی رول ادا کرنے والے ڈاکٹر تھے۔ انھوں نے اپنے علم اور فن کے بل پر عوام کی خدمت تو نہیں کی' جس طرح Medics With a Mission اب کر رہے ہیں' لیکن انھوں نے اس علم و فن کو اسلام کی نفی' اپنے قومی اور تہذیبی اغراض کی پیش رفت کے لیے اس طرح استعمال کیا کہ اپنی قوموں کے لیے ہندستان کی سرزمین میں ایک ایسی جگہ حاصل کر لیں جہاں سے وہ آگے بڑھ سکیں۔ انھی کی حاصل کردہ یہ تجارتی مراعات ایسٹ انڈیا کمپنی اور ڈچ ایسٹ کمپنی کو ملیں جنھوں نے بالآخر ہندستان کو انگریزوں کی گود میں لا کر ڈال دیا۔ یہ کہانی صرف ہندستان ہی میں نہیں دہرائی گئی' بلکہ دنیا کے بہت سے دوسرے مسلمان اور غیر مسلمان ملکوں میں بھی دہرائی گئی۔ ڈاکٹروں نے اس میں ایک ہراول دستے کا کام کیا۔ اسی کے اندر وہ مشنری بھی تھے' جن کے اغراض و مقاصد سیاسی نہیں بلکہ مذہبی تھے۔ آج بھی دنیا بھر میں Medics With a Mission کے تحت جنگ سے تباہ شدہ علاقوں میں جو ڈاکٹر کام کر رہے ہیں' مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان کے مقاصد بھی مذہبی ہوں گے۔ یہ ڈاکٹر تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک کامیاب کیریر پر گامزن ہوئے' پھر وہ سب کچھ چھوڑ کر افریقہ کے جنگلوں' صحراؤں' بیابانوں اور ویرانوں میں جا کر بس گئے۔ انھوں نے امریکہ اور یورپ کی عیش پرستانہ اور آرام دہ زندگی کو تیاگ دیا اور وہاں پر جذام' برص' کوڑھ اور دوسرے امراض میں مبتلا مریضوں کے ساتھ مل جل کر کام کیا۔ اس عمل کی بے شمار کہانیاں لٹریچر کے اندر موجود ہیں۔ آج اگر افریقہ میں عیسائیت سب سے بڑا مذہب بن گئی ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے' تو اس کی داغ بیل بھی انھی ڈاکٹروں نے ڈالی ہے۔ یہ تاریخ کے مطالعے کا دوسرا نقش تھا جو میرے ذہن پر ابھر کر آیا۔

تیسرا' آج سے تقریباً دس گیارہ سال پہلے کی بات ہے' مکہ معظمہ میں یمن کی اسلامی تحریک کے راہ نما سے میں وہاں کے حالات پر گفتگو کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: "ہمارے پاس صرف دس ڈاکٹر ہوں' جو سب کچھ تج کر' یمن کے دیہاتوں اور قصبوں میں آکر بیٹھ جائیں' وہاں پر اپنی طبی مہارت سے لوگوں کا علاج کریں تو ہم بہت جلد یمن میں اسلامی انقلاب لا سکتے ہیں۔ ہمیں صرف دس ڈاکٹروں کی ضرورت ہے' جو اپنا کیریر قربان کر کے اور سب کچھ چھوڑ کے آجائیں۔ چاہے وہ زبان بھی نہ جانتے ہوں' کیونکہ زبان کم کام کرتی ہے' اس کے مقابلے میں خدمت زیادہ کام کرتی ہے"۔ ان کی یہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی۔ ان تین نقوش کو آج میں نے آپ کے سامنے گفتگو کے آغاز میں ہی پیش کر دیا ہے۔

ڈاکٹر کو یہ بے پناہ طاقت کس لیے حاصل ہوتی ہے؟

ظاہر ہے کہ ان کے پاس مادی طاقت نہیں ہوتی' فوجی قوت نہیں ہوتی' ان کے پاس علم و فن ہوتا ہے۔ علم و فن تو اور بہت سارے لوگوں کے پاس بھی ہوتا ہے' انجینرز کے پاس ہوتا ہے' دیگر بہت سارے پیشے بھی اس علم و فن سے آراستہ ہوتے ہیں' لیکن ڈاکٹروں کو یہ خاص طاقت کس لیے حاصل ہوتی ہے؟ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی طرف انسان خود رجوع کرتا ہے۔ اور اعتماد کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ ابلاغ میں کسی بات کو قبول کیے جانے کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کہنے والا سننے والے کے پاس آیا ہے یا سننے والا کہنے والے کے پاس گیا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس آیا ہے یا پیاسا کنویں کے پاس گیا ہے۔ اور کہنے والے کی بات پر کتنا اعتماد ہے' کتنا بھروسہ ہے اور کتنی امید ہے؟ چنانچہ ڈاکٹر مرجع ہوتا ہے۔ لوگ خود اس کی طرف آتے ہیں۔ پھر اس کے فن کا تعلق انسان کے اس وجود سے ہے' جو دراصل اس کی بات کا ہدف ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ آتا اپنے جسمانی امراض کے علاج کے لیے ہے' تاہم انسان ایک وحدت ہے' جسم' روح' قلب اور ذہن سب یکجا ایک ہی وجود کا حصہ ہیں۔ اس لیے وہ اپنی ان ضروریات کے لیے ڈاکٹر کے پاس آتا ہے' جو اس کے جسم کی بھی ہوتی ہیں اور اس کے نفس اور دل کی گہرائی سے بھی اٹھتی ہیں۔ وہ کبھی کرب کے عالم میں کبھی الم کی کیفیت اور کبھی تکلیف کی حالت میں بے قرار ہوتا ہے۔ کبھی مضطرب' کبھی پریشان اور کبھی بے چین ہوتا ہے۔ اس حالت میں ہوتا ہے جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس طرح دی ہے کہ کشتی سمندر میں جا رہی ہو' سمندر میں طوفان آ جائے اور کشتی ڈوبنے لگے تو اس وقت تو بڑے سے بڑا زندیق اور کافر بھی اسی نادیدہ قوت کو پکارتا ہے' جس کے دست قدرت میں' زمین' دریا' ہوا' پانی اور سب کچھ ہیں۔ تقریباً اسی سے ملتی جلتی کیفیت اس مریض کی ہوتی ہے' جو کرب و الم اور درد و اذیت سے بے چین ہو کر ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ میرے خیال میں یہ اصل سرچشمہ ہے ڈاکٹر کی قوت کا۔

آپ شاید سوچ رہے ہوں گے کہ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے اختتامی اجلاس کا ان واقعات سے کیا تعلق ہے؟

میرے خیال میں ان واقعات کا اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے میرے ذہن نے ان واقعات کو تازہ کر دیا اور میں نے انھی کے گرد اپنی گفتگو کا تانا بانا بننے کا فیصلہ کیا۔ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن' ڈاکٹروں کی ایک تنظیم ہے۔ لیکن یہ محض ڈاکٹروں کی ایک تنظیم نہیں ہے۔ اس لیے کہ ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشنز اور بھی بہت ساری ہیں۔ خود اس ملک میں پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن موجود ہے۔ اسی طرح کی ایک تنظیم نے اپنے نام کے ساتھ اسلامک کے لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ اضافہ یقیناً کسی مقصد' کسی غرض اور کسی ہدف کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ لفظ سوچ سمجھ کر بڑھایا گیا ہو

گا۔ یہ صرف' تقلید' نقالی اور بے سوچے سمجھے کی کارروائی نہیں ہو گی' بلکہ وہ ڈاکٹر صاحبان جو پڑھے لکھے ہیں' باشعور ہیں' انھوں نے ضرور اس کے مفہوم' تعبیر اور مضمرات کو سامنے رکھ کر ہی اس بات کا فیصلہ کیا ہو گا کہ یہ لفظ اس کے ساتھ ہونا چاہیے--- یہ لفظ کیوں لگایا گیا؟ اور یہ واقعات جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے' ان کا تعلق اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن سے کیوں ہے؟

اصل میں یہ کیوں کا سوال بڑا ہی عجیب سوال ہے' اس کیوں کے دامن میں اتنے معنی پوشیدہ ہوتے ہیں کہ انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بظاہر یہ بڑا آسان سوال ہے' لیکن اس کا جواب بڑا مشکل ہے۔ سوال ہمیشہ حق' عرفان حقیقت اور سچائی کی خبر لے کر آتا ہے۔ تحقیق کا اصول بھی یہ ہے کہ آدمی پہلے سوال قائم کرے پھر ان کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ علم میں پیش رفت' جواب کی جستجو اور تحقیق کے دروازے اسی طرح کھلتے ہیں۔ وہی فلسفی' سائنس دان اور تحقیق کار آگے بڑھ سکتا ہے' جو پہلے کیوں اور کیسے کا سوال متعین کرتا ہے اور پھر اس کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ "میں ایک دھڑکتے دل' سوچنے والے دماغ اور حرکت کرنے والے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اس صفحہ ارضی پر کیوں پایا جاتا ہوں؟" دنیا کے سارے فلسفے' تمام مذاہب اسی سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں اور کس لیے آئے ہیں۔ اس "کیوں" کے سوال سے نئی دنیا اور نئے جہاں تعمیر ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ اپنے اندر معنی اور تقاضوں کا ایک جہاں سمیٹے ہوتا ہے۔

چنانچہ سوال یہ ہے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کیوں قائم کی گئی؟ اور پھر اس کے ساتھ اسلامک کے لفظ کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ درحقیقت اس کا جواب ان افراد کے ذمے ہے' جنھوں نے یہ تنظیم قائم کی' یا جو اس کو آج چلا رہے ہیں۔ وہ اپنے سامنے اس کے لیے مستقبل کا کوئی نقشہ اور وژن رکھتے ہیں کہ یہ کہاں جائے گی' کس طرح جائے گی اور کہاں پہنچے گی؟ کیونکہ آپ نے مجھے یہاں پر بلایا ہے' اس لیے میں بھی اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں تھوڑی سی مدد کروں گا۔

بالعموم یہ ہوتا ہے کہ جو کام ہوتے چلے آ رہے ہیں' وہی کام ہم کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر بغیر سوچے سمجھے کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم کیوں کا سوال اٹھائیں' اور کچھ ایسے سوال اٹھائیں جو سچ اور حقیقت کی خبر دیں تو اس کے اندر بعض جواب بڑے تلخ بھی ہو سکتے ہیں۔ جب بھی سچائی سامنے آئے گی یا جب بھی moment of truth سامنے آئے گا تو وہ اپنے تقاضے بھی ساتھ لائے گا۔ حق اپنے دامن میں بہت شدید تقاضے اور کڑے مطالبات لے کر آتا ہے۔ "اقراء" کا ایک لفظ اپنے اندر جو جواب لے کر آیا اور حق کی جو خبر لے کر آیا اس نے مکہ کے ایک پرامن شہری تاجر کو اس طرح مضطرب اور بے چین کر دیا' کہ وہ کانپتے ہوئے اپنے گھر آئے اور کہا خشیة علی نفسی (مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے)۔ یہ صرف حق کا انکشاف تھا'

جس نے بدن پر لرزہ طاری کر دیا' اور دل و جان کا خوف پیدا کر دیا۔ اس لیے جہاں بھی سچ اور حق آئے گا یا جب بھی moment of truth سامنے آئے گا تو پھر انسان کو اس کے لیے بھی تیار ہونا ہو گا کہ وہ سچائی کو قبول کرے۔ اسی لیے "کیوں" کا سوال کرنا اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ نام تو رکھ لیا ہے' جس کے پیچھے کوئی سوچی سمجھی غرض نہیں ہے تو پھر اس کے تقاضے مختلف ہوں گے کیونکہ آدمی بے کار اور فضول کام نہیں کرتا' اس کی قوتیں' صلاحیتیں اور وقت اس لیے نہیں کہ فضول کاموں میں صرف ہو۔ اگر یہ معلوم ہو کہ نہیں' ہم نے تو بڑے جہاں فتح کرنے کے لیے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کو قائم کیا ہے' اس کے نام کے ساتھ اسلامک کا لفظ بڑھایا ہے تو پھر اس کے تقاضوں کی ایک دنیا ہو گی۔ اس لیے کہ پھر جہاں فتح کرنے کے لیے کمر ہمت باندھنا پڑے گی' میدان میں اترنا پڑے گا' محنت کرنا پڑے گی' سعی و جہد میں مصروف ہونا پڑے گا اور اپنی جسم و جان کی قوتوں کو اس مقصد کے لیے لگانا ہو گا۔ یاد رکھیے نئی نئی خواہشات' خوابوں' تقریروں' گفتگوؤں اور اجلاسوں سے جہاں فتح نہیں ہوتے بلکہ محنت' قربانی' اپنے مقصد کی لگن' اس کے ساتھ وابستگی اور اس کے لیے ایثار سے نئے جہاں فتح ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے ہے کہ ان جہانوں کو فتح کرنے کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے۔ صنعت اور تجارت کے میدان میں فتوحات ان صلاحیتوں کے بغیر نہیں ہوتیں۔ علم و تحقیق کی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دینا ہوں' تو ان کے لیے بھی یہ ہی مطالبات ہیں۔ اگر اخلاق اور روح کی دنیا ہو تو اس کے مطالبات بھی اسی نوعیت کے ہیں۔ کوئی زمین اپنی فصل کے دانے خود چل کر کسان کی گود میں نہیں ڈال دیتی' بلکہ کسان خود نکلتا ہے' ہل کندھے پر رکھتا ہے' اپنا خون پسینہ ایک کرتا ہے' بیج ڈالتا ہے' اس کی نگرانی کرتا ہے' پھر کہیں جا کر فصل کاٹتا ہے۔ اس طرح سے اس کی جھولی میں زمین اپنی فصل کا پھل ڈالتی ہے۔ یہ قدرت کا وہ قانون ہے جو ہر جگہ یکساں طور پر نظر آتا ہے۔ اس قانون سے کوئی مقصد' کوئی منزل' کوئی دنیا اور کوئی جہاں مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر ایک پر اسی قانون کا اطلاق ہو گا۔

اس لحاظ سے اگر آپ اس سوال کا جواب دینا چاہیں' تو میرے خیال میں ڈاکٹر اپنے کام کو تین پہلوؤں سے دیکھ سکتا ہے:

ایک اس کا علم ہے جسے علم کی دنیا میں میڈیسن یا طب جدید کے نام سے پکارا جاتا ہے جس کو وہ کالج میں پڑھتا ہے' پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے دوران پڑھتا ہے اور جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ میڈیکل علوم کا مجموعہ' میڈیسن خود اپنی جگہ پر عمل کا تقاضا رکھتا ہے۔ ایک آدمی جو یہ جانتا ہو کہ پل کس طرح بنایا جائے' یہ مہارت اور یہ علم اس سے اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ پل بنانے کے لیے فوراً کھڑا ہو جائے۔ لیکن اس کے بالمقابل وہ آدمی جو یہ جانتا ہو کہ جلد' جسم' دل اور نفسیات کے امراض کا علاج کس طرح ہو

سکتا ہے' اس کا معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔ علم و ہنر کی یہ سچائی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ نسخہ شفا کو لے کر جلد' جسم' ذہن اور نفسیات کے امراض میں مبتلا فرد کا علاج کرے۔ یہ صرف اخلاقی اور انسانی تقاضا نہیں ہے' بلکہ خود ڈاکٹر کے حلف کے اندر یہ بات شامل ہے کہ وہ کسی تفریق اور تردد کے بغیر آگے بڑھ کر مریض کی اعانت کرے۔

دوسری بات کو آپ میڈیسن کی پریکٹس کہتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اس کام کو اکیلا انجام نہیں دیتا' بلکہ اس کے ساتھ معاشرہ ہوتا ہے' اس کے ساتھ ڈاکٹروں کی برادری ہوتی ہے' جس کے ساتھ مل کر وہ عمل کرتا ہے۔ اس عمل کو سب مل کر چلاتے اور ترقی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے جب آپ نے میڈیکل ایسوسی ایشن کے ساتھ اسلامک کا لفظ لگایا' تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان تینوں پہلوؤں سے اسلامک کے لفظ کے تقاضے آخر کیا ہیں؟ یہ بات اگر آپ متعین کر لیں تو پھر معلوم ہو گا کہ اس کو کیوں بنایا گیا تھا' اور اگر بناتے وقت نہیں سوچا گیا تھا تو اب سوچا جا سکتا ہے کہ ہم نے اس کو کیوں بنایا ہوا ہے۔ اگر آج اس وقت بھی ہم یہ بات سوچنے کو تیار نہ ہوں' تو شاید مستقبل میں کوئی سوچے کہ یہ ورثہ جو ہم کو ملا ہے' ہم اس کو کیوں آگے بڑھائیں---- لیکن ان تینوں پہلوؤں سے ہی غور کرنے اور سوچنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اس مجموعہ علم کا تعلق ہے جس کو ہم میڈیسن کے نام سے پکارتے ہیں' اس کا بظاہر تو کوئی تعلق اسلام کے نام سے نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر علم کا تعلق بہت گہرائی کے ساتھ اسلام سے ہے۔ علم اگرچہ بظاہر بالکل ہی غیر جانب دار (نیوٹرل) اور بلا اقدار (value less) محسوس ہوتا ہو' لیکن اس کے باوجود ہر علم جانب دار ہوتا ہے۔ ہر ٹیکنالوجی کے اندر کچھ اقدار ہوتی ہیں۔ وہ اقدار اور وہ جانب داری اس تہذیب اور اس کلچر کا حصہ ہوتی ہے' جہاں اس نے پرورش پائی ہے۔ اگر وہ خدا پرست معاشرے میں پروان چڑھا ہو تو اس کی روح خدا پرستی کی روح ہوتی ہے' اور اس پر خدا پرستی کی چھاپ ہوتی ہے۔ اگر اس نے سیکولر' خدا سے بے نیاز' غافل اور خدا سے انکاری معاشرے کے اندر پرورش پائی ہو تو اس کی روح سیکولر ہو گی اور اس کے اوپر سیکولرازم کی چھاپ ہو گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں جو دوائیں ہم دیتے اور جو سرجری کرتے ہیں' اس کا خدا پرستی اور خدا فراموشی سے کیا تعلق ہے؟

امر واقعہ ہے کہ ٹیکنالوجی کا اقدار اور مقاصد کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ پیشے کے لحاظ سے میں ڈاکٹر نہیں ہوں' انجینئر ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ انجینئرنگ کا ایک معمولی سا کام بھی اپنی اقدار کے لحاظ سے معاشرے اور انسان پر بڑا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ ہوائی جہازوں کا شور گھروں کا سکون برباد کر دیتا ہے۔ ایک ملک کے درمیان دوڑتی ہوئی موٹر وے گاؤں اور دیہات کو ایک دوسرے سے کاٹ کر ان کے معاشرتی تعلقات کو برباد کر دیتی ہے۔ گھر میں ٹیلی فون کی آمد تعلقات کی مٹھاس اور چاشنی کو کم کر کے انھیں غیر ذاتی نوعیت کا بنا

دیتی ہے کہ ٹیلی فون پر چند جملے بولے اور ملاقات کا حق ادا ہو گیا۔

وہ معاشرہ جہاں چچا' ماموں اور دوستوں کے ہاں جا کر باہمی تعلقات کی ایک دنیا آباد ہوا کرتی تھی' اب وہاں ٹیلی فون کا ڈائل گھمانے اور لہروں کے دوش پر آواز سن لینے سے تعلقات کا سفر بڑی حد تک مکمل ہو جاتا ہے۔ ٹیکنالوجی کی سہولتوں اور اچھائیوں سے مجھے انکار نہیں' لیکن اس وقت میں ٹیکنالوجی کے اس پہلو پر بات کر رہا ہوں' جو معاشرے اور اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اسی طرح علم طب کا بھی معاملہ ہے۔ جہاں جدید علم طب پروان چڑھا ہے' وہاں پر یہ موضوع زیر بحث ہے کہ وہ سارے کام جو پروفیشنلز یعنی ڈاکٹروں کے سپرد کر دیے گئے ہیں' کیا واقعی ان پروفیشنلز کے حوالے ہونے چاہئیں؟ یا معاشرے کے دوسرے افراد اور اداروں کو ہاتھ بٹانا چاہیے۔ اس ضمن میں بچے کی ولادت اور اس کے بعد بچے کی فیڈنگ اور اس کی سماجی دیکھ بھال کا مسئلہ ہے۔ وہ جنھوں نے اس جدید پیشے کو پروان چڑھایا' خود یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا واقعی ہم نے یہ صحیح کیا ہے کہ ایک انسانی جسم اور اس سے پیدا ہونے والی انسانی ہستی' جس کا خاندان سے گہرا تعلق ہے اور وہ اس کی نفسیات سے نہ ختم ہونے والا تعلق رکھتی ہے' کیا اس کو اجنبی ہاتھوں میں دینا کوئی درست اقدام ہے؟ مغرب کی سماجی طبی بحثوں میں یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔

آپ کے سامنے یہ حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ بھی وہی کام کریں جو دوسرے ڈاکٹر کر رہے ہیں' جس طرح وہ بتاتے ہیں کہ دل کی تکلیف کا بہتر علاج کیا ہو سکتا ہے' آپ بھی بتائیں' یہ بھی انسان کی خدمت ہو گی۔ اور مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔ لیکن یہ کام میڈیکل ایسوسی ایشن بنا کر بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ "اسلامک" کا لفظ لگانے کی شاید ضرورت نہ تھی۔

اسی طرح دوسرا کام پریکٹس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دراصل بڑا اہم کام ہے۔ میڈیسن میں پریکٹس چاہے عمومی ہو' سرجری کی ہو یا سائیکالوجی کی' اگر وہ اسلامک پریکٹس ہے تو اس کو عام پریکٹس سے مختلف ہونا چاہیے۔ اس کے اندر خدا پرستی کی روح ہونی چاہیے۔ جہاں اس پریکٹس کو' جسم کو شفا پہنچانے کا انتظام کرنا چاہیے' وہاں بندے کی روح اور اس کی نفسیات کو بھی اس کے پیدا کرنے والے خالق اور مالک سے جوڑنے کا ذریعہ بننا چاہیے۔ اس کا تیسرا پہلو ڈاکٹروں کی برادری سے متعلق ہے۔ جہاں ڈاکٹر اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر پریکٹس کرتا ہے' وہاں اسے اپنی برادری کو بھی اسی راہ پر لے کر چلنے کی کوشش کرنا ہے جو راہ "اسلامک" کا لفظ واضح کرتا ہے۔ یہ اس کا تیسرا پہلو ہے۔ ان تین پہلوؤں سے اگر آپ غور کریں' تو چند اہم باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اسی طرح وہ اس بات کی پکار

کرتا ہے کہ کلکم من آدم وآدم من تراب (تم سب آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے)، انسان سب کے سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت کا فرق نظر آتا ہے مگر یہ ایک ہی نفس سے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ کوئی دو الگ الگ مخلوق نہیں ہیں اور الگ الگ نفس سے پیدا نہیں کیے گئے۔ اسی طرح اسلام اس نظریے کو بھی پیش کرتا ہے کہ انسان کا وجود بھی ایک وحدت ہے جو روح، ذہن اور جسم کا مجموعہ ہے۔ نفسیات، فلسفے اور خود میڈیسن میں ظاہر اور باطن کی بحثیں بے انتہا ہیں، لیکن ہم سب کا تجربہ ہے کہ ایک انسان کا وجود ایک اکائی ہے۔ ساری چیزوں کا اثر اس کی روح، قلب اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ روح و اخلاق اور قلب کا اثر اس کے جسم کے اوپر پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے انسانی وجود ایک وحدت ہے۔ اگر اس کو غصہ آئے گا، نفرت کی آگ دل کے اندر بھڑکے گی تو اس کا بلڈ پریشر اونچا جا سکتا ہے اور وہ ہارٹ اٹیک کا شکار ہو سکتا ہے۔ اگر وہ بیماری و کمزوری میں دل شکستہ ہو گا تو اس کی روح بھی افسردگی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص گلہ دے گا تو اس کے جسم کے اندر بہت سارے خامرے (enzymes) تیزی سے دوڑنا شروع کر دیں گے۔ اگر اس کا دل خوشی اور فرحت کا مسکن ہو گا تو بہت سارے جسمانی امراض دور ہو جائیں۔

مسلمانوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے جہاں بڑے بڑے دارالعلوم اور علوم و فنون کی تحقیق کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم کیے، وہاں اگر آپ اس دور میں ان کے ہسپتالوں کا حال پڑھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ شاید عصر حاضر کے بہت سے ہسپتال بھی اس دور کے ہسپتالوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ علاج کی سہولتیں، مریضوں کی مدد کے لیے مشیر اور صلاح کار، پھر مریضوں کے گھروں پر ان کے خاندان کی خبرگیری کے لیے وظیفے اور نہ معلوم کتنے انتظامات تھے جو ان صاف، روشن اور کشادہ ہسپتالوں میں کیے جاتے تھے۔ میں آپ کے سامنے زوال پذیر قوموں کے ہسپتالوں کا ذکر نہیں کر رہا جس طرح میو ہسپتال ہے۔ بلکہ ترقی کے بام عروج پر پہنچی ہوئی قوم کے ہسپتالوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس زمانے کے بڑے شہروں قاہرہ، دمشق، بغداد وغیرہ کے علاوہ بھی ملوکیت زدہ خلافت میں ہر جگہ یہ ہسپتال کام کر رہے تھے جہاں پر یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ ان کے سیاسی نظام کی خرابی کے باوجود، ان کے قلب و ذہن اور فکر و تہذیب کو متاثر کرنے والا دین اسلام انھیں یہ راستہ دکھا رہا تھا، ابھار رہا تھا اور کام لے رہا تھا۔

میڈیسن کی تعلیم نتیجے میں ایک نسخہ شفا آپ کے ہاتھ میں آیا ہے اور دوسرا وہ نسخہ شفا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے قَدْ جَآءَتْكُم جو تمھارے پاس آیا ہے، شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یہ شفا ہے ان سارے امراض کے لیے، جو سینوں کے اندر ہیں۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: ۸۲) اور ہم قرآن میں سے وہ چیز اتار رہے ہیں جو مومنین کے لیے شفا کا باعث ہے۔۔۔ تو شفا کے یہ دو پہلو ہیں۔ جسمانی امراض کے علاج اور روحانی امراض کے علاج میں تو ہمیشہ بڑا گہرا ربط رہا ہے۔ اگر

آپ سیدنا مسیح علیہ السلام کی زندگی کے ان واقعات کو پڑھیں' جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں اور بائبل نے بھی نقل کیے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف ان کے ہاتھ میں وہ شفا تھی جس سے اندھے دیکھتے تھے' بہرے سنتے تھے' گونگے بولتے تھے' مفلوج اٹھ کر چلنا شروع کرتے تھے اور مردوں کے اندر جان پڑ جاتی تھی' برص' جذام اور کوڑھ سے جلدیں صاف ہو جایا کرتی تھیں۔ دوسری طرف وہ کلمہ بھی ان کے پاس تھا' جس سے دلوں کی دنیا جاگتی تھی' انسان بدل جایا کرتے تھے' ان کے اخلاق' مقاصد' اغراض' طرز زندگی سب بدل جایا کرتے تھے۔ عیسائی مشنری میڈیسن' طب کو بہت شدت کے ساتھ اپنی دعوت اور مشن کے لیے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں' اس میں ان واقعات کا بھی عمل دخل ہے جو قرآن اور عیسائی روایات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کیے گئے ہیں۔

جب آپ ان تینوں پہلوؤں کو سامنے رکھیں' انسانی وجود کو ایک وحدت تسلیم کریں اور اس ذمہ داری کو تسلیم کریں تو پھر بحیثیت ایک اسلامک' میڈیکل ڈاکٹر کے' آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ ان پہلوؤں سے مریض کے لیے شفا کی فکر کریں۔ جتنی فکر' طلب اور تڑپ آپ کو اس بات کی ہو کہ مریض اچھا ہو جائے' یہاں پر میں کوئی بدگمانی نہیں کرتا' جتنی طلب آپ کو اس بات کی ہو کہ آپ کے ہاتھ میں فیس آ جائے' اس سے بدرجہا زیادہ طلب اور تڑپ آپ کو اس بات کی بھی ہونا چاہیے کہ مریض اندر سے شفا پا جائے اور آپ کے ہاتھ میں وہ فیس آ جائے' جس فیس کا اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو ہدایت کے راستے پر لانے کی صورت میں' آخرت میں دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے' جو سات سو گنا' بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ گنا پھیلتی اور بڑھتی ہے۔ دراصل یہ وہ چیز ہے جو اسلامک میڈیکل کے حوالے سے آپ کے سامنے واضح اور صاف ہونا چاہیے۔ اس میں بحیثیت اسلامک میڈیکل' ڈاکٹر آپ کا حسن سلوک کلیدی مقام رکھتا ہے۔ جس ڈاکٹر کو اسلام پر ایمان لانے کا دعویٰ ہو' مریض دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ یہ تو فرشتہ ہے' ڈاکٹر نہیں ہے۔ اس وقت آپ اسلامک کی بات کو تھوڑی دیر کے لیے نظرانداز کر دیجیے۔ ذرا سوچیے آخر کیا بات ہے کہ وہ مسلمان ڈاکٹر جو امریکہ اور انگلینڈ میں یہ دیکھ کر آتے ہیں کہ مریضوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے' (جن کا خود میں نے ہفتوں' مہینوں' سالوں رہ کر مشاہدہ کیا ہے) کس طرح انسان کی خدمت کی جاتی ہے' کس طرح انسان کے ساتھ نرمی سے بولا جاتا ہے' کس طرح انسان کی دیکھ بھال ہوتی ہے' لیکن جب وہی ڈاکٹر اپنے اس ماحول اور کلچر میں آتے ہیں تو وہ کیوں بدل جاتے ہیں؟ ان کا رویہ کیوں جارحانہ تغافل' بے نیازی اور سختی کا ہو جاتا ہے۔ اس تکلیف دہ صورت حال کی مثالیں کسی بھی ہسپتال میں جا کر دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ ڈاکٹر' جس کی ساری تعلیم و تربیت مغربی کلچر میں ہوئی' وہیں پروان چڑھا' اس کی کیا وجہ ہے کہ چند مہینوں میں وہ یہاں آ کر ان تمام مثبت رویوں کو بھول جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اکیلا فرد کلچر کے بہاؤ کے آگے بے بس ہو

جاتا ہے۔

میں نے پہلے بھی اپنے اس مشاہدے کو بیان کیا ہے کہ مجھے کئی بار لندن کے ہیتھرو ہوائی اڈے سے کراچی کے ہوائی اڈے تک سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ انسان جو ہیتھرو ہوائی اڈے پر بڑے مہذب انداز میں قطار باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ چھلانگ لگا کر آگے بڑھ جائے یا کسی کی مٹھی گرم کر کے کوئی کام کروا لے، لیکن جب وہی انسان بارہ گھنٹے کے بعد کراچی ہوائی اڈے پر اترتا ہے تو اس کی ماہیت تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ اب وہ "کیو" کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتا ہے، سفارشی تلاش کرتا ہے اور مٹھی گرم کر کے کام نکالتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ: تعلیم عام ہو جائے گی تو ان امراض کا علاج ہو جائے گا، میں کہتا ہوں کہ وہ تو بڑا تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ وہاں سے پڑھ لکھ کر آتا ہے، اور سماجی شائستگی کی سب مثالیں اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ مگر پھر وہ کیا چیز ہے جو اس کو بدل دیتی ہے۔ کیا بارہ گھنٹے کے ہوائی جہاز کے سفر میں کوئی جادو کی چھڑی اس پر پھیر دی جاتی ہے یا کوئی طلسم باندھ دیا جاتا ہے۔ آخر کیا چیز اس کو بدل دیتی ہے؟ اس چیز کو بدلنے کا محرک دونوں ہوائی اڈوں کے ساتھ بسنے والی اقوام کے مروج کلچر ہیں۔ لندن کے ہیتھرو ہوائی اڈے پر وہ اسی کلچر کے رخ پر بہنے کے لیے مجبور ہے، جو وہاں بہہ رہا ہے اور کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کا کلچر بالکل مختلف ہے۔ اب واپس آکر وہ نہ چاہتا ہو، پھر بھی مجبوراً وہ اسی رخ پر بہنا شروع کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر برادری اور پورے معاشرے کے حوالے سے، اپنی قوتیں اس کلچر اور معاشرے کے نظام، اغراض اور اقدار کو بدلنے کے لیے لگا دے، جس سے ان تمام امراض کا علاج ہو گا۔ ایک شخص پہاڑی کے چراغ کی طرح معاشرے کی گندگی سے اوپر اٹھ کر اپنی روشنی پھیلا سکتا ہے، لیکن عام انسان کے بس میں یہ بات نہیں ہوتی، وہ مجبور ہوتا ہے کہ معاشرے، کلچر اور تہذیب کے قدم بہ قدم اور نقش بہ نقش چلے اور اس کی رو میں بہے اور اسی کے پیچھے جائے۔ وہ انھی اغراض و مقاصد کی پیروی کرے، انھی کی جستجو کرے، جو اغراض و مقاصد اس معاشرے، تہذیب اور کلچر کے اندر محبوب و مطلوب ہوں اور پسند کیے جاتے ہوں، یا جن کی تعریف ہوتی ہو، جن پر شہرت ملتی ہو اور جن پر معاشرے کے اندر مقام ملتا ہو۔ یہاں پر ان کے اچھا اور برا ہونے کی بحث نہیں ہے، بس بہاؤ کے رخ پر بہے جانا ہے۔ یہ اس کی مجبوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے، اور اس بات کو لازم کیا ہے کہ انسان صرف خود نہ بدلے بلکہ اپنے معاشرے کو بھی بدلے کیونکہ معاشرے کو بدلے بغیر نہ وہ لہر پیدا ہو سکتی اور نہ وہ رو بہہ سکتی ہے، جس میں عام انسان بھلے اور سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔

جیسا کہ اپنی گفتگو کے ابتدائی حصے میں، میں نے عرض کیا تھا کہ جو شخص آپ کے پاس آتا ہے، وہ

دراصل مجبور' بے کس' بے بس' لاچار اور درد و الم کے اندر گرفتار ہوتا ہے۔ وہ آپ کے پاس آتا ہے تو' اچھی بات سننے' قبول کرنے اور اپنے حال کو بہتر بنانے کے لیے آتا ہے۔ اب اگر آپ اس کو صرف ایک ہی نسخہ شفا پہنچاتے ہیں' اور اگر آپ صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ آپ کی جیب میں فیس آجائے' مگر آپ کی نظر اس دوسرے نسخہ شفا پر نہیں ہے جو آپ کے طاق میں' آپ کے سرہانے' اور آپ کی کتابوں کے اوپر رکھا ہوا ہے اور پھر آپ کی نظر اس فیس پر نہیں ہے کہ جس کا وعدہ رب العالمین نے کیا ہے' تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو میڈیکل کے ساتھ لفظ "اسلامک" لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے ساتھ وابستہ ڈاکٹروں کو اس بات کی تعلیم و تربیت نہیں دے سکتے کہ وہ اس فیس پر بھی نگاہ رکھیں اور اس نسخہ شفا کو بھی پھیلائیں' تو پھر آپ کی اس ایسوسی ایشن کے وجود کا میری نظر میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لیے کہ میڈیسن میں علم و تحقیق اور علاج معالجہ سے وابستہ ڈاکٹروں کی دیگر تنظیمیں ہی بہت کافی ہیں' ان کی موجودگی میں ایک اور تنظیم کو آخر کیوں کھڑا کیا جائے۔ سرجری' ادویات' ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کے اوپر اربوں کروڑوں ڈالر اور اسٹرلنگ دنیا بھر میں خرچ ہو رہے ہیں' اس خالص پیشہ ورانہ عمل میں اگر آپ نے بھی تھوڑا سا اضافہ کر بھی دیا' تو کون سا تیر مار لیں گے؟--- لیکن میرے عزیزو' آپ کے پاس کرنے کا وہ کام ہے' جو بلین ڈالرز کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا اور اگر آپ نے اس لحاظ سے میڈیسن کے علم کو' میڈیسن کی پریکٹس کو اور میڈیسن کی کمیونٹی کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا' تو پھر یہ وہ راستہ اور وہ شاہراہ ہوگی' جو اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کا میڈیسن کے میدان میں منفرد کارنامہ اور لاجواب ثمر ہوگا۔

یہ کام کرنے کے لیے' سب سے پہلے آپ کو اپنی ذات کی طرف توجہ دینا ہوگی' اس لیے کہ اپنی ذات پر توجہ دیے بغیر' آپ وہ کام نہیں کر سکتے جس کی طرف اس گفتگو میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں دو قیدی اگر صرف یہ پوچھنے کے لیے پہنچتے ہیں کہ "ہمارے خواب کی تعبیر کیا ہے؟" تو وہ خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو یہ دعوت بھی دیتے ہیں ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف ۱۲: ۳۹) مطلب یہ کہ بہت سارے مالک و آقا اور رب بہتر ہیں' یا یہ کہ انسان ایک ہی آقا کا غلام ہو' اور ایک ہی آقا کی غلامی اختیار کر کے اس کے پیچھے چلے۔ آپ کے پاس آنے والا ہر مریض اگر آپ کے اندر یہ کسک اور بے چینی پیدا نہیں کرتا' کہ آپ اس کو بھی نسخہ شفا پہنچائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اپنی ذات پر توجہ دینی چاہیے۔ یہ کام عبائیں زیب تن کر کے اور لبادے اوڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ ہرچند کہ آپ اپنے جسم کی آرائش' وضع قطع' شیروانی اور سوٹ پہن کر' کر سکتے ہیں' لیکن روح اور دل کی آرائش و زیبائش باہر سے نہیں اوڑھی جا سکتی۔ اس کو اندر سے ہی پیدا ہونا پڑتا ہے۔ اگر انسان کے اندر وہ جذبہ موجزن ہو جائے' جو اس کام کے لیے ضروری ہے تو پھر ہم کسی کے کہے بغیر اپنا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ جس

طرح ہم میڈیکل پریکٹس کو اپنا کام سمجھ کر کلینک پر جاتے اور توجہ دیتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کی فکر کرتے ہیں' اس کام کے لیے کسی وعظ' کسی درس' کسی تنظیم اور کسی دستور کی ضرورت محسوس نہیں کرتے' کیونکہ بقائی ہوش و حواس ان تقاضوں اور مطالبات کی ضرورت کا احساس ہمارے دل کے اندر موجود ہوتا ہے' ان کا جذبہ ہمارے دلوں کے اندر موجزن ہوتا ہے۔ پھر یہ کام بغیر کسی کے کہے سنے ہم خود سے کرتے ہیں۔ ہم اسیتھس کوپ لگا کر دوسروں کے دلوں کی دھڑکنیں تو سن لیتے ہیں مگر کبھی اپنے دل کی دھڑکنوں کو بھی سننے کی کوشش کریں۔ اپنے دل و دماغ کی دنیا میں پروان چڑھنے والی خواہشات' امنگوں اور جذبوں کو بھی دیکھیں کہ داخلی دنیا میں کیا کچھ موجود ہے اور اس کا علاج کس طرح ہو سکتا ہے۔

ان داخلی عارضوں کو خود دیکھنے کا جذبہ اسی وقت موجزن ہو سکتا ہے' جب آپ اس بات کا فیصلہ کر لیں' کہ دل کا قبلہ صرف ایک ہو گا۔ جس طرح نماز کا قبلہ صرف ایک ہے اور وہ خانہ کعبہ ہے' اس سے ہٹ کر اور دوسری طرف منہ کر کے نماز نہیں ہو سکتی' اسی طرح زندگی اور دل کا قبلہ بھی صرف ایک ہو گا' تو حق بندگی ادا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کا قبلہ ہو گا۔ اس سے ہٹ کر اگر زندگی کا رخ بدل گیا اور توجہات دوسری طرف چلی گئیں تو پھر ایسی زندگی بالکل اسی طرح فاسد ہو جائے گی جس طرح خانہ کعبہ کی طرف منہ کیے بغیر پڑھی جانے والی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر آپ زندگی کو یک سو اور یک رخ کر لیں' اسے ایک ہی ہدف پر مرکوز کر لیں تو اس سے آپ کی ذات کی تشکیل ہو گی۔

اپنے دست شفا کی طرف لپکنے والے مریضوں کو اگر آپ نے حقیقی نسخہ شفا اور اس کا پیغام پہنچا دیا' تو وہ نہ صرف اس سے استفادہ کریں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ یہ نسخہ شفا انھیں اور خود آپ کو ایک نئے رخ پر ڈال دے گا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اس کے بعد ان مریضوں کو جسمانی طور پر بھی بڑا گہرا فائدہ ہو گا۔ اگرچہ اسے کوئے کری (quakery) کہا گیا ہے لیکن میں نے اس پر پوری ایک فلم سیریز دیکھی ہے اور ایک کتاب بھی پڑھی ہے' کہ یہاں کینسر کا علاج ایک کلینک میں صرف اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ انسان اپنے لائف اسٹائل یا طرز زندگی کو بدل دے' اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس کا علاج ہو جائے گا۔ وہ کیمیائی غیر نامیاتی (in organic) چیزوں کو چھوڑ دے' نامیاتی (organic) چیزوں پہ بھروسہ رکھے' صاف ستھرے ماحول میں رہے' اور کوئی دوا نہ کھائے۔ اس طرز علاج کو اختیار کرنے کے استنادی شواہد (documented evidence) موجود ہیں کہ اس طریقے کے تمام مریضوں کو نہیں' مگر کچھ کو ضرور فائدہ ہوا ہے۔ جہاں پر امید کا مرجع اور مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہو اور آپ مریض کے اندر یہ امید پیدا کر دیں کہ: **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہوتا ہوں' تو وہ شفا دیتا ہے۔ آپ مریض کا تعلق نسخہ شفا اور صاحب نسخہ شفا سے جوڑ کر اس کی زندگی کو یکسو کر دیں' تو' آپ میں سے جو بھی سائیکلوجی اور دوسرے علوم کے ماہر ہیں وہ خوب

جانتے ہیں کہ اس کے کتنے گہرے اثرات' اس کے جسم پر' اس کی نفسیات' اور اس کی زندگی پر بھی پڑیں گے' خود اس کے خاندان اور آخرکار پورے معاشرے پر بھی اثرات پڑیں گے۔ دراصل آپ کی ذات اور اس کام کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگر آپ نے اپنی ذات کو بنایا' اس کی تراش خراش کی اور آپ اپنے دل کی دھڑکن سننے کے قابل ہو گئے' تو پھر آپ یہ کام کر سکیں گے۔

اس پوری طبعی کائنات کے اندر یہ اصول کارفرما ہے کہ یہ ایک قانون پر قائم ہے۔ آپ کی نگاہ کچھ طبعی قوانین کی پابند ہے اور انھی کے تحت دیکھتی ہے۔ وہ اربوں' کھربوں' نوری سال کے فاصلوں پر' خلا میں تیرتے ہوئے ستاروں کو بھی دیکھ سکتی ہے اس لیے کہ یہ پورا عالم اور کائنات ایک طبعی عالم اور طبعی کائنات ہے' جو ایک قانون پر قائم ہے۔ اس لیے اس فانی انسان کی یہ چھوٹی سی نگاہ اس بات پر قادر ہے کہ اربوں' کھربوں نوری سال کے فاصلوں پر سیاروں تک پہنچ کر انھیں دیکھ لے' لیکن روح اور دل کی دنیا بالکل دوسری ہے۔ یہ آنکھ اور کان یہاں پر بھی دیکھنا سننا چاہیں تو معلوم کر سکتے ہیں کہ دل کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اگر آپ دوسروں کے دل کی دھڑکن سن سکتے ہوں' عارضہ قلب کا علاج کر سکتے ہوں' چیر پھاڑ کر کے امراض کو دور کر سکتے ہوں' تو آپ کو تھوڑا سا اپنے اندر بھی جھانک کر' اپنے دل کی دھڑکن سن کر اس دل کو صحیح راہ پر لگانے کی فکر کرنا ہو گی۔ اس سے آپ کے پورے وجود اور ذات کی وحدت صحیح راہ پر آئے گی۔ اس سے آپ کی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن وہ کام کرے گی' جو کام اسے کرنا چاہیے' اور جسے کیے بغیر اس کے قیام کا کوئی جواز نہیں۔ اسی کے نتیجے میں معاشرے پر اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

اگر ان گزارشات کو آپ سامنے رکھیں' تو شاید ان سے آپ کو اس "کیوں" کا جواب دینے میں کچھ مدد مل سکے۔ (تدوین: سلیم منصور خالد)

ری پرنٹ دستیاب ہیں۔ منشورات' منصورہ' لاہور

سمع و بصر کا رمضان تحفہ

جامعہ منصورہ لاہور میں حافظ محمد ادریس کے روزانہ بعد نماز تراویح

خلاصہ مضامین کے بیان کے ۴ کیسٹ کا ویڈیو سیٹ

تلاوت تراویح اور خلاصہ مضامین کا آڈیو کیسٹ بھی تیار ہے

رابطہ: سمع و بصر علی ہائٹس' کریم بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور' فون: 5411546